رجسٹرڈ انگمشیہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ے
سہ ماہی ...... ے

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

دفتر: نیا حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

اڈیٹر:
میر حسن الدین بی اے، ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ے
سہ ماہی ...... ے

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد (۵) | ۲ اسفندار ۱۳۵۵ف | ۳۰ محرم سنہ ۱۳۶۵ھ | ۵ جنوری سنہ ۴۵ء شنبہ | نمبر (۳۲)

دستورسازی کا مقصد سماجی انقلاب ہونا چاہئے

از
پروفیسر جی - ڈی - پارکھ

ہندوستان کی بعض سیاسی جماعتیں چاہتی ہیں کہ سماج کی موجودہ ہیئت ترکیبی بدستور برقرار رہے۔ بعض جماعتوں کی خواہش ہے کہ سماج کی حالت میں ایک بنیادی تبدیلی عمل میں لائی جائے۔ ان دونوں جماعتوں کے تصورات مختلف ہیں۔ ان تصورات کی روشنی میں میں چند بنیادی سوالات پیش کرنا چاہتا ہوں جو دستورسازی کے موقع پر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کو مستقبل کے ہر دستور میں اگر وہ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مرتب کیا جا رہا ہو تو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔

ہمارے ملک میں دستور کی اصطلاح سے متعلق بعض غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جب دستور کا لفظ زیر بحث آتا ہے تو لوگوں کا ذہن قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء یا نہرو رپورٹ یا سپرو کی سفارشات کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ پوری حقیقت نہیں ہے۔ دستور محض ایک ایسی دستاویز نہیں ہے جس میں حکومت کی انتظامی مشنری کی وضاحت کی گئی ہو۔ اور نہ یہ محض ایسی دستاویز ہے جس کو ماہرین دستور نے مرتب کیا ہے بلکہ یہ سماجی تنظیم کا ایک ذریعہ ہے یہ ایک ایسی دستاویز ہے جس میں سماج کی ہیئت ترکیبی سے متعلق بنیادی قوانین درج ہوتے ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے لئے ایک جدید دستور کی ضرورت ہے ہمارا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہندوستان کو ایک نئے سماج کی ضرورت ہے اور اس نئے سماج کا بنیادی قانون اس جدید دستور میں مدون کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں ہم ایک نئی مملکت کا ارتقا چاہتے ہیں نہ کہ ایک نئی حکومت۔ ان دو چیزوں میں بڑا فرق ہے۔ اگر آپ نئی حکومت چاہتے ہوں تو وائسرائے کی کونسل کے ارکان کو بدل کر آپ یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں لیکن آپ یہ خیال کریں کہ شخصیتوں کی تبدیلی سے ملک کی صورت حال بدل جائے گی یا ہندوستان میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہنے لگیں گی تو آپ غلطی پر ہیں۔ مسٹر آر۔ دت نے چند سال قبل ہمیں متنبہ کیا تھا کہ "ہم یہ نہیں چاہتے کہ گوروں کی دفتری حکومت کے بجائے کالوں کی دفتری حکومت قائم کی جائے۔" ہم موجودہ سماج میں ایک بنیادی تبدیلی چاہتے ہیں اور جب آئندہ دستور مرتب کیا جائے تو اس امر کو ملحوظ رکھنا پڑے گا کہ کس قانون کی بنیاد پر سماج کی آئندہ ہیئت ترکیبی مبنی ہو۔

ہم ایک طرح سماجی تبدیلی چاہتے ہیں اور جب تک یہ تبدیلی عمل میں نہ لائی جائے کوئی ایسا دستور مرتب نہیں ہو سکتا جو عوام کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو۔ اس مسئلہ پر ایک اور نقطہ نظر سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کسی شخص سے خواہ اس کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے بھی ہو۔ یہ سوال کریں کہ ہندوستان کا آئندہ دستور کیسا ہو؟ آپ کس طرح کا دستور ہندوستان کے لئے پسند کرتے ہیں تو میرے خیال میں ہر شخص بلا استثنا یہ جواب دے گا کہ ہم جمہوری دستور چاہتے ہیں۔ اور چونکہ ہر جماعت شد و مد سے جمہوری دستور کا مطالبہ کرتی ہے تو ایک عام آدمی پریشان سا ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہوریت پسند حقیقت میں کونسی جماعت ہے اور جمہوریت کا نقاب کس جماعت نے اوڑھ رکھا ہے۔ ان جماعتوں کے ادعا سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ جمہوریت کا کیا مفہوم ہے۔ آپ کس قسم کی جمہوریت ہندوستان میں چاہتے ہیں۔ اس سوال کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ اب چند ماہ سے کہا جا رہا ہے کہ ہر بالغ کو رائے دہی کا حق ملنا ضروری ہے۔ مگر اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اگر ہر ہندوستانی کو رائے دہی کا حق مل جائے تو ہندوستان میں جمہوریت کا قیام ضروری نہیں ہے۔ ہٹلر نے (۹۹) فیصد ووٹ حاصل کئے تھے مگر ہٹلر کو جمہوریت پسند نہیں کہا جا سکتا۔ موجودہ حالت میں جبکہ سماج پر مٹھی بھر سرمایہ دار مسلط ہیں۔ ہر بالغ کو حق رائے دہی مل جائے تو وہ اپنا حق کس طرح استعمال کر سکتا ہے۔ جس سماج پر سرمایہ داروں اور مفاد حاصلہ کا تسلط ہو وہاں سیاسی جمہوریت ایک فریب ہے۔ ہر شخص کو ووٹ دینے کا مساوی حق تو مل جاتا ہے مگر منتخب ہونے کا مساوی حق نہیں تھا۔ انتخابات میں ہزارہا روپے

(باقی بر صفحہ ۱۰)

مملکت ہفت وار

۳؍ اسفندار ۱۳۵۵ف

یہ سکوت اور گریز کب تک؟

۱۹ بہمن کی اشاعت میں ہم نے ایسے ہندو پبلک کارکنوں سے جو حیدرآباد میں ذمہ دارانہ حکومت کے قیام کے حامی ہیں یہ اپیل کی تھی کہ وہ ازراہ کرم حیدرآباد کے عوام کو یہ بتائیں کہ ان کا تصور ذمہ دارانہ حکومت کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان حضرات نے ہماری اپیل کی جانب تا حال توجہ نہیں فرمائی۔ اگر ہمارے اور ان کے سیاسی مسلک میں کوئی اختلاف ہو بھی تو ایسا اختلاف اس امر کا مانع نہ ہونا چاہیے کہ وہ ایک معقول مطالبہ پر توجہ کریں۔ انہیں نفس مطالبہ پر نظر ڈالنی چاہیے تھی اور اس امر کو نظر انداز کر دینا چاہیے تھا کہ مطالبہ کون کر رہا ہے۔ کتنی افسوس کی بات ہے کہ آپ ملک میں ایک جدید طرز حکومت کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں اور جن عوام کا نام لے کر یہ مطالبہ کیا جاتا ہے خود انہی عوام کو اپنے منشا اور مافی الضمیر سے بے خبر رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پبلک کارکن جمہوریت اور شہری آزادیوں کی بار بار دہائی دیتے ہیں اس لئے ہمیں یقین ہے کہ وہ عوام کے اس حق کو تسلیم کریں گے کہ ذمہ دارانہ حکومت کی مکمل تصویر ان کے سامنے پیش کی جائے تاکہ عوام مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کر سکیں۔ بعض ہندو حضرات نے ہم سے کہا کہ:-

"ذمہ دارانہ حکومت کی اصطلاح ہی میں اس کا مکمل مفہوم پنہاں ہے آپ کوئی اچھی کتاب لے کر دیکھ لیجئے آپ کے جملہ سوالات کے جوابات وہاں مل جائیں گے۔"

ہم نے کہا کہ:-

"یا تو آپ نہایت بھولے بھالے اور سیدھے سادے ہیں یا آپ ہمیں ذرا بیوقوف سمجھتے ہیں۔ کتابوں کا حوالہ دے کر اور اصطلاحات کے گورکھ دھندے میں ہمیں پھنسا کر آپ اتنی آسانی سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ جب آپ ذمہ دارانہ حکومت مانگتے ہیں تو اپنی ذمہ داریوں کا بھی احساس کیجئے اور حیدرآباد کے باشندوں کو بتائیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں کس قسم کی نظام کے قائل ہیں۔ اور ملک کے مختلف عناصر اور مفادات کو اپنی اسکیم میں آپ کونسی اور کس قسم کی جگہ دینے کے لئے تیار ہیں۔"

ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ ۱۹ بہمن کی اشاعت میں ہم نے جو سوالات کئے تھے وہ ان سوالات میں سے چند ہیں جو اس ضمن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ان سوالات کے جوابات مرتب اور شائع کر دیئے جائیں تو ہم اور دیگر افراد ملک مزید سوالات پیش کر کے اپنی تشفی چاہیں گے۔ اور ذمہ دارانہ حکومت کے حامیوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ہم سب کی تشفی کریں۔ ہم نے بالآخر یہ بھی کہا کہ سکوت بڑی غلط فہمیاں پیدا کرے گا اور موجودہ غلط فہمیوں کی توثیق ہوگی۔ اور یہ گمان یقین کی حد تک پہنچ جائے گا کہ ذمہ دارانہ حکومت کے طالب برہمن بنیا راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔

پبلک زندگی کا مفاد اس امر کا متقاضی ہے کہ ذمہ دارانہ حکومت کے طلب گار ہمارے سوالات سے چشم پوشی کرنے کے بجائے ان کا صاف صاف جواب دینے کی کوشش کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سوالات ایسے ٹیڑھے اور پریشان کن ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان سوالات کے وجہ سے متعلقہ حلقوں میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی ہے لیکن ذمہ دار قائدین کا یہ فرض ہے کہ وہ ان سوالات سے پریشان ہونے کے بجائے ان سے نپٹنے کی کوشش کریں ورنہ یہی کہا جائے گا کہ ان حضرات کے خیالات خود منتشر اور الجھے ہوئے ہیں۔ وہ خود نہیں جانتے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ وہ خود اس دنیا سے بے خبر ہیں جس کو وہ حیدرآباد میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نیتیں صاف نہیں ہیں۔ وہ محض تقلیداً ذمہ دارانہ حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ذمہ دارانہ حکومت کس چڑیا کا نام ہے انہوں نے ایک اصطلاح تو یاد کر لی لیکن اس کے مضمرات سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے ایک نعرہ تو لگا دیا لیکن یہ نہ جانا کہ یہ نعرہ فضا میں کس قسم کا تموج پیدا کرے گا۔ یہ سب کہا جائے گا اور اس سے کچھ زیادہ بھی۔ اس لئے ہم اپنے ہندو دوستوں سے دوبارہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہر سوال کا جواب نہایت دیانت داری سے اور غیر مبہم الفاظ میں مرتب کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ ذمہ دارانہ حکومت کی کوئی ایسی تصویر بنانے میں کامیاب ہو گئے جس میں واقعی غریبوں کا فائدہ ہو جس میں فرقہ واری تعصب نہ ہو اور جو ملک کے ہر جائز مفاد کو اس کا صحیح مقام دے سکے تو وہ اپنی تحریک کی بڑی خدمت کر سکیں گے۔

ہر تحریک کے بانیوں کو ابتدائی دور میں ایسے کٹھن مرحلوں سے سابقہ پڑتا ہے لیکن ان منازل کو عبور کرنے کے بجائے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرنا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا، ان کی جہالت اور ناواقفیت سے فائدہ اٹھانا نہ مفید ہو سکتا ہے اور نہ ان قائدین کو زیب دیتا ہے۔ عوام کو ہمیشہ کے لئے بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا اس لئے ہم دوبارہ ذمہ دار ہندو پبلک کارکنوں سے اس توقع کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ صاف اور صریح الفاظ میں بتائیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ محض اصطلاحات کو دہرانے سے یا سکوت سے کوئی تحریک آگے نہیں بڑھ سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے باہمی اختلافات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا اپنے لفاظ و نقطہ نظر کے انتشار کو اصطلاحات کے پردہ میں چھپانا صرف چند دن تک ممکن ہے۔ یہ سکوت اور گریز آخر کب تک؟

تلخ حقائق

نواب سالار جنگ بہادر کی ڈیوڑھی میں [illegible] ابوالحسن سید علی اور بعض ہندو لیڈروں کے مابین جو گفتگو ہوئی تھی اس کی نسبت ہم نے اپنی ایک سابقہ اشاعت میں یہ عرض کیا تھا کہ اس گفتگو پر مفاہمت کا لفظ اس لئے منطبق نہیں ہوتا کہ اکثر مابہ النزاع امور کو ملتوی رکھ کر گفتگو ہوئی تھی۔ اب وہ گفتگو عملاً کالعدم ہو چکی ہے لیکن اس کا ایک شاخسانہ خود مجلس اتحاد المسلمین کے اندرونی انتشار کی صورت میں اس وقت ہمارے سامنے ہے۔

مولوی صاحب نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا کہ مفاد واری بنیاد کی بجائے علاقہ واری بنیاد پر مقننہ کی تشکیل دی جائے اس خیال سے صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم حضرات کی ایک کثیر تعداد متفق نہیں ہے۔ دوسر

علاوہ مولوی صاحب نے یہ کہا تھا کہ مقننہ کے اختیارات وسیع تر کئے جائیں۔ اس مطالبہ سے ہم اصولی طور سے اتفاق کرتے ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ مولوی صاحب کا تیسرا مطالبہ جو تھا کہ اب حکومت میں پچھے پبلک کارکن شریک کئے جائیں۔

ہماری رائے میں منافرانہ بنیاد کو بدلنے کی کوشش کرنا ملک کے ساتھ مزید نا انصافی ہے جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مابہ النزاع امور کی نسبت کوئی معقول اور مستحکم سمجھوتہ نہ ہو جائے مقننہ کے اختیارات کی توسیع ایک نئے فتنہ کو کھڑا کرنے کا باعث ہوگی۔ مثال کے طور پر امور خارجہ کو لیجئے۔ بعض ہندو پبلک کارکن بیرونی مداخلت کو نہ صرف دل سے پسند کرتے ہیں بلکہ اس کو دعوت بھی دیتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو حیدرآباد کے ذہنی حقوق و اختیارات کی پامالی کی کوشش اور برار، شمالی سرکار، اضلاع مفتوحہ وغیرہ کے استرداد کے مطالبہ کی مخالفت کرنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں امور خارجہ کو مقننہ کے دائرہ میں داخل کرنا بجز بدمزگی پیدا کرنے کے کوئی اور نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔ ایک اور مثال لیجئے ہندوستان کے قوم پرست اور ماہرین تعلیم کی یہ کوشش ہے کہ ہندوستانی کو مشترکہ زبان کی حیثیت سے ترقی دی جائے لیکن جب حیدرآباد نے یہی مستحسن اقدام کیا تو ہمارے ہندو پبلک کارکن خفا ہو گئے۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بجز اردو کے حیدرآباد کی مقامی زبانوں میں کوئی زبان مشترکہ زبان بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اب اگر ذریعہ تعلیم یا جامعہ عثمانیہ جیسے موضوعات کو مقننہ کے حدود اختیارات میں شامل کر دیا جائے تو مقننہ ایک دنگل کا منظر پیش کیا کرے گی تیسری مثال ملازمتوں کی ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ملازمتوں کے سیاسی پہلو سے ہمارے ہندو بھائی بے نیاز نہیں ساری

ذرائع معیشت اتنے وسیع اور منفعت بخش ہیں کہ ان میں سے اکثر افراد اپنے پاس سے الحاجین کی تنخواہ پانے والے ملازم رکھ سکتے ہیں۔ البتہ نظم و نسق کی پالیسی کی تشکیل میں حصہ لینے کی اہمیت پر جو زور دیتے ہیں وہ بے شک فطری اور بجا ہے ان کی یہ خواہش مقننہ کے وجود میں آنے سے خود بخود پوری ہو جاتی ہے۔ پھر بھی وہ مسلمانوں کو ملازمتوں سے محروم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ نتیجہ ظاہر کرنے والوں کی رائے ہے کہ ملازمتوں کے مسئلہ کو مقننہ کے دائرہ میں گھسیٹنا خانہ جنگی کو دعوت دینا ہے۔ ہم اور بھی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مقننہ کے اختیارات میں توسیع اسی نوبت پر مناسب اور مفید ہوگی جبکہ ہندو اور مسلمان اپنے باہمی اختلافات کو دور کرکے ایک معقول اور مستحکم مفاہمت کر لیں۔ اس وقت ہمارے ہندو بھائی دیکھیں گے کہ ذہنی ترقی کی دوڑ میں مسلمان ان سے ایک قدم آگے ہی رہیں گے۔ مسلمان موجودہ حالت سے مطمئن نہیں ہیں۔ ایک طرف بیرونی کی مداخلت دوسری طرف حکومت کی بے عملی اور عہدہ داروں کی باہمی سازشیں اور شخصی جلب منفعت کی فکر یہ ساری چیزیں ایک مسلمان کو برگشتہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن جب مسلمان یہ دیکھتا ہے کہ حکومت کا تختہ الٹنے سے ایک ایسا دور آنے کا جس میں ہندو لیڈروں کو فرقہ وارانہ تعصبات کا عملی مظاہرہ کرنے کا موقع ملے گا تو وہ دم بخود ہو کر رہ جاتا ہے۔ پس موجودہ نظم و نسق کی خرابیوں کی ذمہ داری ہندو پبلک کارکنوں پر ہے جن کے جارحانہ عزائم مسلمانوں کو اصلاحی قدم اٹھانے سے باز رکھتے ہیں۔ ان ساری مشکلوں کا حل صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہندو مسلم پبلک کارکن ایک معقول مفاہمت کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ ایسی صورت میں ایک

نیا حیدرآباد جنم لے سکتا ہے جو فرقہ وارانہ تعصبات سے پاک، بیرونی مداخلت سے آزاد، اور امن و ترقی کا گہوارہ ہوگا۔ ہم ایسے دن کی آمد سے مایوس نہیں ہیں۔

مولوی صاحب کا تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ اب حکومت میں پچھے پبلک کارکن لئے جائیں۔ ہم اس مطالبہ کی ضرور تائید کرتے اگر ہماری نظر میں ایسے پبلک کارکن ہوتے جو فی الواقعی باب حکومت کی رکنیت پر فائز ہونے کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہوں۔ افسوس ہے کہ اس مسئلہ میں اہل ملک کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔ پبلک کارکنوں کی صفیں ایسے اصحاب سے خالی ہیں جو ان صلاحیتوں کے حامل ہوں۔ ہمیں خود مولوی صاحب کی صلاحیت میں شبہ ہے۔ البتہ ہندو کارکنوں میں ایسے ایک دو افراد نکل سکتے ہیں۔ جہاں یہ قحط الرجال ہو وہاں پچھے نشستوں کا مطالبہ ہوا میں اڑنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ ملک کی یہ بدنصیبی ہے کہ ہماری پبلک زندگی کی سطح بہت پست ہے۔ موجودہ حکومت میں ایسے صدہا افراد موجود ہیں جو بلحاظ معلومات، وسعت نظر، حسن نیت اور دیانت کے اعتبار سے ہمارے لیڈروں سے بہت اچھے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہندو اور مسلم عوام اپنے بہترین افراد کو منظر عام پر لائیں تاکہ ہماری پبلک زندگی میں صحیح افراد کو صحیح مقام مل سکے۔

آزادی کی راہ میں سب سے بڑی چٹان

از

بابو رام شرما کوہاٹوی

نیشنل کانگریس کو ظہور میں آئے آج قریب ساٹھ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ جو صدی کا دو تہائی حصہ ہوتا ہے۔ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد ہمیں موقع حاصل ہے کہ ہم غیر جانبدارانہ حیثیت سے نیز ہر قسم کے تعصبات اور ذاتیات سے بالاتر ہو کر حقائق کی روشنی میں اس کے اعمال کا تجزیہ کریں۔ کانگریس کی بنیاد کیوں رکھی گئی۔ کن حالات میں رکھی گئی اور کن کے ہاتھوں رکھی گئی یہ ہندوستان کے مشہور مورخ بھائی پرمانند کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:۔

سنہ ۱۸۵۰ء میں پنجاب کے فتح ہو جانے پر ہندوستان بھر میں برٹش راج قائم ہو گیا۔ لیکن اس کے سات سال بعد ملک میں وہ طوفان آیا جسے تاریخی اصطلاح میں غدر کہا جاتا ہے۔ سنہ ۱۸۵۷ء سے لیکر گزشتہ ۲۵ سال ہندوستان کی تاریخ میں کورے ورق کی مانند ہیں۔ غدر کے بعد خوفناک نتائج سے گھبرائے ہوئے لوگ بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ ان میں کوئی زندگی کے نشان ہیں نہ ان کے اندر کسی طرح کی کوئی تحریک کام کرتی دکھائی دیتی ہے۔

اس زمانہ میں انگریز مدبر بھی سوچنے لگ گئے کہ انہیں ہندوستان میں کس طرز حکومت پر چلنا ہوگا۔ لیکن وہ پالیسی جس کی بنیاد لارڈ میکالے نے رکھی تھی برابر جاری رہی۔ اور اس عرصہ میں ہر صوبہ میں انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پائی ہوئی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ یہی جماعت تھی جو سرکار اور رعایا کے درمیان واسطہ کا کام کر سکتی تھی۔ قدرتی طور پر یہی جماعت تھی جس میں نئی زندگی کی تحریک شروع ہوئی ٹھیک اسی زمانہ میں انگلستان میں پروفیسر سیلے نے کیمبرج کے طلبہ کو ہندوستان کے متعلق لیکچر دیئے۔ اس نے بتایا کہ ہندوستان انگریزوں نے فتح نہیں کیا بلکہ ہندوستان خود ہی انگریزوں کے ہاتھوں میں آ گیا وجہ یہ کہ ہندوستان میں قومیت کا جذبہ نہ تھا اور متحدہ قومیت کا جذبہ پیدا ہونا ناممکن ہے کیونکہ اس ملک میں دو جدا جدا قوموں کے اجزا موجود ہیں۔ ان دونوں کا ایک ہونا کسی صورت میں ممکن نہیں۔ مگر باوجود اس امر واقعہ کے کچھ اینگلو انڈین اصحاب کچھ پارسی اور کچھ عیسائیوں نے مل کر ایک نئی قومیت کا نصب العین ہمارے سامنے رکھا تمام انگریزی تعلیم یافتہ جماعت اس نصب العین پر ٹھہر گئی۔ یہ جاننا مشکل ہے کہ بانیوں کا مدعا کیا تھا۔ وہ دھوکے میں تھے یا جان بوجھ کر ملک کو غلط راستہ پر ڈالنا چاہتے تھے۔"

سنہ ۱۸۸۵ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کے صدر مسٹر ہیوم کے ہاتھوں انڈین نیشنل کانگریس کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ اور ہمارے کرم فرما مسٹر ہیوم نے جن کے دست مبارک سے ہماری قومی جماعت کا بنیادی پتھر نصب کیا گیا اپنے ایک خط میں لارڈ آک لینڈ کالون کو مندرجہ ذیل الفاظ میں خطاب کیا ہے:۔

"ہندوستان میں قومی جذبہ دن بدن ابھر رہا ہے۔ اس کے تحفظ کے لئے کانگریس سے بہتر کوئی سیفٹی والو نہیں ہو سکتا تھا۔"

لہذا کانگریس کے معرض ظہور میں آنے کے پس پردہ جو پالیسی کام کر رہی تھی اسکی وضاحت کے لئے مندرجہ بالا اقتباس کے سامنے کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

کانگریس کے ابتدائی دور میں صرف اتنا ہی کام تھا کہ ہر سال ملک کے چیدہ چیدہ اشخاص کسی بڑے شہر میں جمع ہوں اور ایک ریزولیشن کی صورت میں ملک کی شکایات سرکار کے سامنے رکھ دیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے سرکار کے پاس میموریل بھیجنے شروع کئے بعد ازاں ہندوستانی سرکار سے مایوس ہو کر انگلستان اپنے نمائندے بھیجنے لگے۔ جب وہاں بھی مایوسی ہوئی تو عوامی ایجی ٹیشن کا آغاز ہوا۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں نواب ڈھاکہ کی صدارت میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں لارڈ منٹو کے پاس مسلمانوں کا ایک وفد اپنی جداگانہ نیابت کے مطالبہ کے لئے پیش ہوا۔

کانگریس نے سنہ ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ سے جداگانہ نیابت کے اصول پر سمجھوتہ کیا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اجلاس کے صدر تلک تھے۔ یہ زمانہ پہلی جنگ عظیم کا تھا۔ اس وقت ملک کی سیاسی دنیا میں تلک عروج پر تھے۔ مگر زندگی نے زیادہ وفا نہ کی۔ وہ اگست سنہ ۱۹۲۰ء میں انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد ہندوستان کی سیاست کی باگ ڈور مسٹر گاندھی جی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ گاندھی جی نے اس دوران میں بیسیوں مرتبہ ہندو مسلم مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی مگر کبھی بھی کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ بھائی پرمانند اخبار "ہندو" لاہور میں لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۹۲۰ء سے گاندھی جی نے کانگریس کے سامنے اپنا پروگرام رکھا ہے کانگریس کے لیڈروں نے منظور کر لیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک مجھے کانگریس کی تحریک غلطیوں سے بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اب رہ گئے مسلمان مسلمانوں کی واحد نمائندہ قومی جماعت مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح کے ارشادات کانگریس کے متعلق ملاحظہ ہوں۔ "کانگریس یہ بے اصول دعویٰ کرتی ہے کہ اس کو تمام ہندوستان کی نمائندگی کا حق ہے۔ وہ دنیا سے کہتا ہے کہ وہ اس تحفظ کو اس طرح قبول کر لیں کہ گویا وہ کسی طاقتور شہنشاہ کی طرف سے عطا کیا جا رہا ہے۔ کانگریس اعلان کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کرے گی۔ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان کوئی تحفظ کوئی رعایت نہیں چاہتے مسلمان اپنے پورے حقوق حاصل کریں گے۔ اور حقوق کی حیثیت سے حاصل کریں گے۔ تحفظوں اور عنایات کی حیثیت سے نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ اس ملک میں چار طاقتیں کارفرما ہیں۔ اول برطانوی حکومت دوسرے والیان ریاست اور ان کی رعایا۔ تیسرے ہندو اور چوتھے مسلمان۔ ہندو پریس جس قدر چاہے شور مچائے کانگریسی لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچا کر کہیں کہ کانگریس قومی جماعت ہے لیکن میں کہوں گا کہ یہ غلط ہے۔ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے۔ یہ حقیقت ہے اور کانگریسی لیڈر اس سے واقف ہیں ایسے چند مسلمانوں کی موجودگی جن کو گمراہ کیا گیا ہے یا ان مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگریس میں ذاتی اغراض کی بنا پر شامل ہیں کانگریس کو قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ کانگریس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کانگریس پست اقوام کی ترجمان ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آیا کانگریس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟"

درحقیقت کانگریس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں وہ ملک کی سب سے بڑی پارٹی ہے لیکن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ وہ جو جماعت اپنے متعلق کہے کہ کانگریس ہی واحد جماعت

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

کانگریسی لیڈروں کی حکومت کے نمائندوں سے ملاقات

از

سجاد ظہیر

"وائسرائے و لارڈ سے ملاقات کلکتہ میں جو تقریر کی اس میں یہ چیز ظاہر تھی کہ ہمارے سامراجی حاکم ہندوستان کی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر ایک ایسا نظام حکومت لانا چاہتے ہیں جس کا ظاہری طور پر تو یہ معلوم ہوگا کہ حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں آ گئی لیکن دراصل برطانوی شہنشاہیت کا اقتدار پہلا جیسا کا ویسا ہی رہے گا۔

کانگریسی لیڈروں کے رویہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ان کی عقل پر پردے پڑ گئے ہیں اور وہ کانگریس کی تمام آزادی کی روایتوں کو بھولتے جا رہے ہیں۔ وائسرائے نے جب تقریر کی تو بنگال کے گورنر کیسی سے کانگریسی رہنماؤں کی گفتگو ہو چکی تھی جس معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ گفتگو انگلش لیڈر کا بینہ کیسی کے متعلق ہوئی اور حکومت کی جانب سے کانگریسی رہنماؤں سے یہ دریافت کیا گیا کہ اگر برطانوی حکومت انگلش کے بجائے بعض اختیارات کانگریس کے ہاتھوں سونپ دے تو کانگریس کیا کرے گی؟ اگر کانگریس نے حکومت میں شامل ہونے سے انکار کیا تو کانگریس کی کیا پوزیشن ہوگی۔

ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے خاص نامہ نگار نے جو کہ ایک ایسا شخص ہے جس کا رسوخ حکومت اور کانگریس دونوں میں ہے اس گفتگو کے متعلق یہ لکھا۔

"کانگریسی رہنماؤں اور برطانوی حکومت کے نمائندوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کانگریس اور حکومت کے درمیان ایک عارضی سیاسی مصالحت ہو گئی ہے۔"

مدراس کے اخبار ہندو کے نامہ نگار نے بھی اسی قسم کی بات لکھی ہے۔ اس اخبار کو بھی کانگریسی حلقوں میں کافی رسوخ حاصل ہے اور اس کی خبریں معتبر ہوتی ہیں۔ ہندو کا نامہ نگار لکھتا ہے:

"کانگریسی حلقوں میں امید کے جذبات پھیلے ہوئے ہیں۔"

ان نامہ نگاروں نے اپنے بیانات میں اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا سب سے اہم رزولیوشن وہ ہے جو عدم تشدد کے متعلق پاس کیا گیا ہے۔ مولانا آزاد نے بھی یہی کہا ہے۔

عدم تشدد کے اصول پر اس وقت زور دینے کی ضرورت آخر کیوں پیش آئی؟ ستمبر میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے موقع پر کانگریس کے رہنماؤں نے ۱۹۴۲ء کے ہنگاموں کو خوب اچھالا اور بہادری اور قربانی کی مدح میں ایک حرف بھی نہیں کہا گیا اب یکایک ایسی باتیں کی جانے لگی ہیں جو غیر تشدد کے خلاف ہیں۔ ورکنگ کمیٹی نے اپنے رزولیوشن میں کہا ہے کہ:

"عدم تشدد میں سرکاری عمارتوں کا جلانا، ریل کی پٹری اکھاڑنا اور ٹیلیفون کے تار کاٹنا شامل نہیں ہیں۔۔۔ ورکنگ کمیٹی کی رائے میں ایسی سول نافرمانی جو ملک میں عام انارکی پھیلا دے آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتی۔"

ناممکن ہے جب ملک ہندوستان کے عوام بہت بے چین ہیں اس وقت ایسا کوئی پروگرام پر عمل درآمد کرے۔ (تعمیری پروگرام سے مراد چرخہ کاتنا وغیرہ ہے)

لندن کے ایک اخبار "ڈیلی ایکسپریس" کے نامہ نگار نے ۱۲ دسمبر کو کلکتہ سے اپنے اخبار کو یہ تار بھیجا:

"مسٹر کیسی (گورنر بنگال) اور کانگریسی رہنماؤں کی گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ (کانگریسی رہنما) مخالفت کا راستہ ترک کر کے تعاون کے راستے پر آ گئے ہیں۔ ان کی گفتگو کا لہجہ بھی بدل گیا ہے۔ یہ مسٹر کیسی کی بڑی کامیابی ہے۔"

یہ صحیح ہے کہ مولانا آزاد اور خان عبدالغفار خاں نے حکومت اور کانگریس کے سمجھوتے کی بات کو غلط قرار دیا ہے لیکن ہم نے جو باتیں اوپر لکھی ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کے رہنما کدھر جا رہے ہیں۔

کانگریسی اخباروں نے ویول کی تقریر پر جو رائے ظاہر کی ہے اس سے بھی ہمارے خیال کی پوری طرح تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً پنڈت نہرو کا اخبار "نیشنل ہیرالڈ" لکھنؤ سے جو شائع ہوتا ہے اس نے ویول کی تقریر کے متعلق لکھا ہے:

"وہ تقریر کا لہجہ ٹھیک ہے۔ لارڈ ویول کا یہ کہنا بالکل قابل اطمینان ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے جو تجویز پیش کی ہے اور مولانا آزاد نے اس کی جو تشریح کی ہے وہ لارڈ ویول کی اس اپیل کا مکمل جواب ہے جو موصوف نے تعاون اور دوستی قائم کرنے کے لئے کی ہے۔ ورکنگ کمیٹی کے تحت ناممکن یہی بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے وائسرائے کے لئے دشواری پیدا کی ہے ابھی تک دوستی اور تعاون کی کافی فضا موجود ہے لیکن صرف ایک طرف سے یہ

یہ باتیں نہیں ہو سکتیں اس کے جواب ہرگز ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء۔

"نیشنل ہیرالڈ" نے حکومت کے ساتھ دوستی کا دم بھرنے کے بعد کوئی اس سے یہ سوال کیا ہے کہ اگر لیگ نے تعاون نہ کیا تو کیا تم اسے دبانے میں ہماری مدد کرو گے؟

بمبئی کے کانگریسی اخبار "بمبئی کرانیکل" نے کہا کہ:

"اگر مسلم لیگ پارٹی کو دی ڈولو کرنے کا حق دے دیا گیا تو پھر سمجھوتہ مشکل ہو جائے گا۔" (۲۲ دسمبر)

مطلب یہ ہے کہ انگریزی حکومت لیگ کے خلاف اپنی طاقت کیوں استعمال نہیں کرتی؟ مدراس کا اخبار "ہندوستان ٹائمز" بڑی عاجزی سے لکھتا ہے:

"کانگریس حکومت سے جنگ کرنے کے لئے بے چین نہیں ہے۔ لیکن کیا برطانیہ سمجھوتہ کے لئے تیار ہے؟"

کسی اخبار کو بھی اس کا خیال ہے کہ ویول کی شرائط پر حکومت سے سمجھوتہ ہمارے وطن کی تحریک آزادی کو پامال کر دے گا۔

کوئی بھی یہ محسوس نہیں کرتا کہ ہندوستان کے سرمایہ دار اور زمیندار ایک طرف اور برطانوی سرمایہ دار دوسری طرف اس اسکیم کے تحت متحد ہو کر ہماری غلامی کو مضبوط کر دیں گے۔ ہماری اپنی اخبار انگریزی حکومت سے بس یہ کہتے ہیں کہ تم لیگ کو بھی کچھ رحم سے مدد دو! یا نہیں تم لیگ کو شکست دینے میں ہماری مدد کروگے!

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید

بنگال کا صوبہ زمینداروں کا صوبہ ہے۔ وہاں کے باشندوں کی اکثریت مسلمان کسانوں پر مشتمل ہے جو زمینداروں کے مظالم سے تنگ آچکے ہیں۔ لیکن کانگریس یا کانگریسی مسلمانوں نے الیکشن کی پوری تحریک میں ایک لفظ بھی زمینداروں کے خلاف نہیں کہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہندو زمینداروں کی مدد سے مسلم لیگ کے خلاف مسلمان کسانوں سے زبردستی ووٹ حاصل کرنا چاہتے تھے جیسا کہ سرت بوس نے اپنے خط میں لکھا تھا (نیا زمانہ)

مولوی ابوالحسن سید علی نے اس خبر پر احتجاج کرتے ہوئے ایک اخباری بیان جاری کیا ہے کہ برار کے بدلے اورنگ آباد حکومت ہند کو دیا جا رہا ہے۔

مولوی صاحب کے اس بیان پر ایک صاحب نے یہ تبصرہ کیا کہ مجلس اتحاد المسلمین کے اندرونی خلفشار سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے مولوی صاحب روز ایک بیان جاری فرما رہے ہیں۔ ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ جب چند روز کے بعد معلوم ہوگا کہ اورنگ آباد نہیں دیا جا رہا ہے تو مولوی صاحب یہ کہنے کے قابل ہوسکیں گے کہ "میری کوششوں سے اورنگ آباد بچ گیا۔"

مجلس اتحاد المسلمین کے موجودہ خلفشار پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب کے پیروان خاص اب صرف تین افراد ہیں۔ ہم نے کہا کہ وہ کون؟ تو جواب عطا کیا۔

یامین، آمین، اور ختم آمین

ہم نے کہا کہ یامین کو تو ہم جانتے ہیں آمین اور ختم آمین کی تعریف کیا ہے۔ کہنے لگے کہ:۔

آمین تو محمود علی ہیں اور ختم آمین کے متعلق آپ قیاس کر لیجئے۔

ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ مولوی ابوالحسن سید علی کے خطبۂ صدارت کو پڑھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد خطبہ سنا رہے ہیں۔

اس پر ایک دوست نے یہ تبصرہ کیا کہ اس جلوہ میں مولانا ابوالکلام کی توہین ہو رہی ہے کیونکہ مولانا علی الاعلان کانگریس میں شریک ہیں اور مولوی ابوالحسن خفیہ طریقہ پر کوشش میں ہیں۔

سنا ہے کہ سوامی راما نند تیرتھ نے اودے پور کی تیرتھ کے لئے اپنے پچاس چیلوں کے ساتھ کوچ کیا ہے (ایک خبر)

سوامی جی اگر بنارس جا کر پہلے جاتے تو اپنے عقیدے کے مطابق کچھ ثواب ہی حاصل کر لیتے۔ اودے پور میں انہیں کیا ملے گا۔ رہا حکومت پر رعب جمانا یا واپس آکر حیدرآباد کے بھولے عوام پر اپنا اثر قائم کرنا تو یہ ہتھکنڈے فرسودہ ہوگئے ہیں۔ سوامی جی اور ان کے چیلوں کو چاہیے کہ کوئی نیا حربہ تلاش کریں۔

مسز کاشی ناتھ راؤ ویدیہ نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ وہ آنے والے برطانوی پارلیمانی وفد کو بتائیں گے کہ حیدرآباد میں وہ کس درجہ مظلوم ہیں۔ ان کی شہری آزادیوں کو کس درجہ کچلا گیا ہے وغیرہ۔

ویدیہ صاحب ایسی جھوٹ صرف باہر والوں کو سنا سکتے ہیں۔ حیدرآباد کے واقف کار اشخاص کے آگے وہ ایسی دروغ بیانی کی جرأت نہیں کرسکتے۔

ع۔ ہم سمجھے ہوئے ہیں انہیں جس بھیس میں وہ آئیں۔

سمجھا جاتا ہے کہ حکومت نے ترقیات نظام ساگر کی جائداد میں منظور کی ہیں۔ نظام آباد اور بودھن میں سکیات کی افزائش کا کام انجام دیا جائے گا۔ (ایک خبر)

مگر لوگ مچھلیوں کی افزائش کا انتظار کر رہے ہیں

وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں ایران سے متعلق کوئی تصفیہ نہ ہو سکا لیکن اس کی یہ ایک ایسی مثال ہے جس میں روس اور برطانیہ و امریکہ کی باہمی کشمکش نے خانہ جنگی کا بازار گرم رکھا (ایک معاصر)

مگر ہمارے کمیونسٹ لیڈر اور اخبارات حکومت ایران ہی کو ہدف ملامت بنا رہے ہیں اور جب روس نے مدد دینا پر نظر ڈالی ہے

کمیونسٹ اخبارات نے یہ پروپیگنڈا شروع کردیا ہے کہ حکومت ترکی کسانوں پر مظالم توڑ رہی ہے۔ منشا ہے کہ اب آذربائیجان کی طرح ترکی بھی روس کی ہمدردانہ قبضہ میں آجائے۔ ایک مشاعرہ کرتے ہیں جس میں مصرعہ طرح یہ ہوگا۔

ع۔ بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

آریہ سماج کے سالانہ جلسہ میں پنڈت گرودت جی نے فرمایا کہ آریہ سماج مذہبی پلیٹ فارم ہے۔ یہ کوئی سیاسی پلیٹ فارم نہیں ہے۔۔۔ ۔۔۔ ہم ایسی آزادی چاہتے ہیں کہ اس کے ٹکڑے نہ ہونے پائیں۔ مسلمانوں کو خوف ہے کہ ہندو اکثریت ان پر غالب آجائے گی ہم یقین دلاتے ہیں کہ ان کے حقوق متاثر نہ ہونے پائیں گے۔ ہم آریہ راج چاہتے ہیں ہم اہنسا کے ساتھ آریہ راج اور رام راج کے بھی خواہشمند ہیں۔ (ایک خبر)

ع۔ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

مجالس عام پر پابندی حیدرآباد کی ایک پرانی داستان ہے جس کے دہرانے کی اس وقت ہم کو ضرورت نہیں (رعیت)

اور مجالس عام کو فرقہ واری منافرت پھیلانے اور ہنگامے برپا کرنے کے لئے استعمال کرنا ہمارے لیڈروں کی پرانی داستان ہے جس کو دہرانے کی اس وقت ہم کو ضرورت نہیں۔

کانگریسی زبان "ہندوستان ٹائمز" لکھتا ہے کہ کانگریس اور حکومت اب ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے لگے ہیں جس سے ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات مستحکم ہوں گے۔ کانگریس کی مجلس عاملہ ایک ایسی فضا پیدا کرنا چاہتی ہے جس میں ہندوستان اور برطانیہ میں سیاسی سمجھوتہ ہوجائے۔

تو گویا ہندوستان چھوڑ دو کے معنی ہیں کانگریس سے سمجھوتہ کرکے ہندوستان میں رہو۔

انڈین ہسٹری کانگریس

نواب علی یاور جنگ بہادر کی تقریر

حیدرآباد ۳۱ دسمبر ۱۹۴۱ء کی شام انڈین ہسٹری کانگریس کے آٹھویں اجلاس کا افتتاح فرماتے ہوئے نواب علی یاور جنگ بہادر حیبق ایم جامعہ عثمانیہ و مشیر امور دستوری سرکار حیدرآباد نے فرمایا کہ آپ کو دنیا اعلائی پیرور کی دعوت قبول کرتے ہوئے بڑی مسرت ہوئی اس لئے کہ مجھے انڈین ہسٹری کانگریس سے پھر ملاقات کرنے کا موقع حاصل ہوا۔ نواب صاحب نے کانگریس کو مبارکباد دی کہ اسے ڈاکٹر تاراچند جیسا قابل صدر ملا ہے۔

تاریخ کی وسعت

نواب علی یاور جنگ بہادر نے جو تقریر کی اس میں آپ نے بتلایا کہ تاریخ میں بھی دنیا کی سی ملی وسعت موجود ہے۔ آپ نے اس امر کی وضاحت فرمائی کہ کس طرح زمانہ سابقہ کی تمام باتیں تاریخ کی وجہ سے محفوظ کر لی جاتی ہیں۔ چین کا اسلام کے دور سے پہلے کے عرب، ایران کی معاشرت اور ان کے دور کا پتہ چلتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے تاریخ لکھنے والوں کی اہمیت بتلاتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا کہ تاریخ لکھنے والا اپنے زور قلم سے اس میں نئی جان ڈال دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے ہی پیش کرنا چاہئے نہ کہ خود اپنے خیالات کو تاریخی حیثیت دیتے ہوئے پیش کی جائے۔ آپ نے بتلایا کہ تاریخ کا مطلب قیاس آرائی نہیں بلکہ حقیقت نگاری ہے۔

مورخ کے فرائض

نواب علی یاور جنگ بہادر نے فرمایا کہ ایک بچے کی طرح مورخ کو ہر چیز میں اس کی اصلیت اور صداقت کا خیال رکھنا چاہئے نہ کہ یہ ہو کہ وہ جذبات کا رو میں بہہ کر قیاس آرائی شروع کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ صرف حسینہ کو قوت فیصلہ کا لحاظ رکھے بغیر بیٹھ کر لینا غلط ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ عام تجربہ ہے کہ نظم و نسق کے امور ہوں یا سیاسیات یا خانگی زندگی یا معاشرتی زندگی خواہ کچھ بھی ہو بعض لوگ ان حدود کو جمود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر مورخ اپنی پسند خاطر کا تابع ہو جائے اور اپنی پسند پر ہر چیز کا انحصار کر دے تو یہ غلط ہے اس لئے کہ اسے اس امر کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے کہ اسے یہ ساری چیزیں دو دوسروں کے سامنے پیش کرنا ہے جو اس کی اس کوشش کا پوری طرح پتہ چلا لیں گے۔ یہی غلطی اس صورت میں بھی ممکن ہو سکتی ہے جبکہ ہم موجودہ حالات اور موجودہ معیار کے لحاظ سے تاریخی کے واقعات کی جانچ پڑتال شروع کر دیں۔ یا اس دور کی چیزوں کو بالکل اسی طرح پیش کریں جس طرح کہ آجکل کی چیزوں کو پیش کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب نے فرمایا کہ تعلیم تاریخ کی طرح بھی بہت سخت نہ ہونا چاہئے کیونکہ ایک مسلک سے دوسرے مسلک ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں اس لئے کہ بعض خاص امور خاص دور میں طے پاتے ہیں اور یہ کسی فرد کے بیٹھے سارے جوابات کا حل نہیں ہو سکتے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر جاپانیوں کی طرح ہم اپنے مسلک اور اپنے نقطۂ نظر کو ہمیشہ پیش رکھتے ہوئے اپنے کو وقت کے ساتھ ہی ساتھ چلتے جائیں تو پھر کسی صورت میں بھی ہم زوال نہیں ہو سکتا۔ کل کی جگہ آج اور آج کی جگہ آنے والا کل لیتا جاتا ہے اور یہی ہوتا ہے اور ہوتے رہے گا۔

ماضی اور حال

نواب علی یاور جنگ بہادر نے فرمایا کہ یہ سمجھتے ہوئے کہ تاریخ صرف قدیم حالات سے متعلق ہے ہمیں حال کو فراموش نہ کر دینا چاہئے اس لئے کہ حال کے متعلق مستقبل کے مورخین اور تاریخ کے طالب علموں کو معلومات حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہوگی۔ آپ نے خود موجودہ دور کی باتیں بتلاتے ہوئے اس کی وضاحت کی کہ اب بھی تاریخ کے نوادر صرف شخصی مفاد یا ذاتی مفاد کے تحت ملکی محققین کی نظر سے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمیں موجودہ دور کے اسناد وغیرہ کی پوری حفاظت کی جانب مائل ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ریکارڈز کمیشن کی اس تحریک کا آپ نے خیر مقدم کیا کہ وہ اس سلسلہ میں سود مند طریقہ پر کوشاں ہے۔

حیدرآباد کا حصہ — حیدرآباد کا ذکر کرتے ہوئے نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ کام بہت روشن خیالی ہی شروع کیا جا چکا ہے اور بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ جاری ہے ایک ایسا دفتر جس میں مرکزی طور پر تمام متفرق کے کاغذات جمع کئے جاتے ہیں تاکہ کام میں سہولت ہو اور بہ آسانی ریکارڈ جمع کئے جا سکیں۔ ۱۸۰۰ء سے کے تمام ریکارڈ بحفاظت محفوظ کئے جا چکے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ کاغذات کو نذر آتش کرنے یا انہیں ضائع کرنے کے بجائے ان کو محفوظ کیا جاتا ہے اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ کون کاغذ آئندہ انتہائی تاریخی اہمیت کا حامل ہو، اس کے بعد آپ نے مختلف تجاویز پیش کیں (ا۔پ)

بقیہ صفحہ (۴)

دعویٰ کرے۔ لیکن اس دعوے سے اس کی حقیقت بدل نہیں سکتی۔

واقعات زبان حال سے پکار رہے ہیں کہ ایک متحدہ قومیت کا خواب جو کبھی شرمندۂ تعبیر نظر نہیں آتا کانگریس کی بنیادی غلطی تھی۔ جس نے ہندوستان کی سیاست کو سلجھانے کے بجائے پیچ در پیچ گتھیوں میں الجھا دیا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ آزادی کی راہ میں سب سے بڑی چٹان خود کانگریس ہی ہوگئی ہے۔ اور جب تک اس غلطی کا ازالہ نہیں ہوگا صورت حالات کے بہتر ہونے کی کوئی امید نہیں۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

(منشور)

سیاسی کروٹ

از

قدوس صہبائی ۔ بی ۔ اے (آنرز)

صوبہ کی کونسل کے الیکشن کی سارے صوبہ میں دھوم مچی ہوئی ہے ۔ بھارت ورش کو پہلی مرتبہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے کہ اب اس کی کونسلوں کے ممبر ذمہ دار وزیر پیدا کریں گے ۔ جب اپنے ہی آدمی گدی پر براجمان ہوں گے تو کسانوں کے دکھ درد اور فاقے کی بھی باتیں پوری ہوں گی ۔ ہر کسان اپنے دل میں سوچ رہا ہے کہ مہاتما گاندھی اب ہندوستان کے مہاراجہ ہو گئے ہیں ۔ اور وہ کسانوں کا لگان کم کرائیں گے ۔ بھینٹ بیگار ختم ہو گی ۔ زمینداروں سے اب کوئی کام کرنا ہے ۔ کانگریس سب بھارت کی ماتا ہے اور گاندھی جی اوتار ہیں ۔ بس وہ جسے کہہ دیں اُسے اپنا ممبر بنانا چاہیئے ۔

قصبہ کے بڑے سیٹھ سروپ چند جی کانگریس کی طرف سے کھڑے کئے گئے ہیں ۔ ان کے مقابلے میں دیو نگر کے ٹھاکر صاحب سنگھ کسان پارٹی کی طرف سے امیدوار ہیں ۔ سیٹھ جی کا استھان جھنڈیوں سے سجا ہوا ہے اور وہاں سب ہر دم آدمیوں سے کھچا کھچ بھرے رہتے ہیں ۔ حویلی پر بڑا سا ترنگا جھنڈا لہرا رہا ہے ۔ موٹریں اور موٹر لاریاں پچاسوں ادھر سے ادھر گھومتی پھرتی ہیں ۔ سب ڈلہن کی طرح سجی ہوئی ہیں ۔ "کانگریس کو ووٹ دو" کے تختے لگے ہوئے ہیں ۔ سروپ چند جی دن رات میں دو چار سو میل کا سفر کر لیتے ہیں اور اپنے حلقہ انتخاب میں تقریریں کرتے پھرتے ہیں اور پورہ تو ان کا گھر ہے یہاں کسی کی دال نہیں گل سکتی ۔ اس لئے گھر سے بے خبر ہیں ۔ الیکشن سے ایک آدھ دن پہلے اور اچھی طرح یہاں کے کسانوں کو سمجھا دیا گیا ۔

آخر الیکشن کا دن آ گیا دن بھر سارے قصبہ میں "انقلاب زندہ باد" اور "ووٹ دو" ۔ اور ہنگامہ کی ہو حق مچی رہی ۔ تیسرے دن نتیجہ نکلا اور سیٹھ جی بڑی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے ۔ جب سارے صوبے کے الیکشن ختم ہو چکے تو معلوم ہوا کہ کانگریس کی ہی وزارتیں بنیں گی ۔ سیٹھ جی کانگریس کے اچھے خاصے معروف و مشہور لیڈر تھے لیکن انہیں وزیر نہ بنایا گیا ۔ انہوں نے کانگریس کی ہمیشہ روپیہ پیسے اور ذات سے مدد کی تھی اس علاقہ میں وہ قومی تحریک کی روح رواں سمجھے جاتے تھے ۔ پولیس بھی رکھ رکھاؤ کرتی تھی ۔ قدیم وضع کے پابند کسانوں سے میل جول ان کے دکھ سکھ کے شریک اس لئے ان کے علاقے کے کسانوں پر کسی کا جادو نہ چلتا تھا ۔ سارے ضلع میں اور کسان پارٹی والے ناکام ہو گئے تھے ۔ علاقہ بھر میں ان کے وزیر نہ بننے پر بڑا واویلا مچا ۔ سارے کسانوں کی امیدیں ٹوٹ گئیں وہ سارے وعدے جو مہاتما گاندھی کے نام سے کئے گئے تھے انہیں خواب معلوم ہونے لگے ۔ ہر زبان پر یہ شکوہ تھا کہ جب ہمارے سیٹھ جی کو وزیر نہیں بنایا تو ہمارا دکھ درد سننے والا کون ہے ؟

قصبے کے وہ چند سربرآوردہ لوگ جو سیٹھ جی کے مخالف تھے انہیں بھی کانگریس کے خلاف اپنی ناکامیوں کا بدلہ لینے کا موقع ملا ۔ انہوں نے بھی سیٹھ جی کی حمایت اور کانگریس کی مخالفت میں خوب زور شور سے لوگوں کو اکسایا یہاں تک کہ چند ہزار نامور آدمیوں کی ایک اپیل شائع کرا دی جس میں سیٹھ جی سے مطالبہ تھا کہ وہ کانگریس سے الگ ہو جائیں اور کسان پارٹی میں مل جائیں ۔

سیٹھ جی پہلے تو خاموش رہے لیکن جب ان کے حامیوں کا یہ زور بڑھا تو ان کے دل کی چوٹ بھی ہری ہو گئی انہوں نے ایک بیان کانگریس کے خلاف دے دیا ۔ بلکہ اپنے قصبہ اور علاقے کے کسانوں کا ایک جلسہ کر کے انہوں نے ان کو یقین دلایا کہ وہ ضرور کانگریس سے الگ ہو جاتے اگر انہیں وزیر نہیں بنایا گیا ۔ سیٹھ جی کو حقیقت میں بڑا صدمہ تھا ۔ وہ لکھے پڑھے نہ تھے لیکن کانگریس کی تحریکیں اور سیاسی باتیں ان کے خیال میں ان کا بہتر کرنا ممکن نہ تھا ۔ ضرور ہے کہ وہ شہر کے بڑے مہاجن اور ساہوکار اور سود کا لین دین ان کا بہت پھیلا ہوا تھا ۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی بڑے زمیندار تھے اور زمینداروں کی حالت میں کوئی قدم اٹھانے کے ان کی طرح حق میں نہ تھے لیکن فقط اپنی طبیعت کی چد سادگی اور ہمدردی سے انہوں نے دلوں پر حکومت کرنے کا درجہ پایا تھا ۔

۔۔۔۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ روپیہ پیسے نے ان کے دماغ میں اقتدار کی خواہش کچھ اس طرح پیدا کر دی تھی کہ سو پچاس خرچ کر کے کانگریس کے سالم ہو گئے تھے اور حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے ۔

لیکن وہ کسان پارٹی سے بڑی نفرت کرتے تھے یہ پارٹی اپنے پروگرام میں ان کے خیالات سے بالکل مختلف تھی ۔ وہ ساہوکاری اور مہاجنی کا تختہ الٹ دینا چاہتی تھی وہ زمینداری کی جڑ بنیاد ختم کر دینا چاہتی تھی ۔ وہ سرمایہ داری کو بھارت ورش کا ایسا روگ بتاتی تھی جس کی موجودگی میں خوشحالی میسر ہونا ممکن نہ تھا ۔ وہ "انقلاب زندہ باد" سے اپنے جلسے شروع کرتی تھی اور اس کے مقرر اپنی تقریروں میں کھلا ہوا تشدد "ہنسا" اور تشدد کا درس دیتے تھے ۔ یہ سب باتیں سیٹھ جی کے عقیدے کے خلاف تھیں ۔

سیٹھ جی کی وزارت کے بارے میں کانگریس نے خوب غور کیا لیکن وہ اس منصب کے اہل قرار نہ پا سکے انہوں نے اپنی پارٹی کے سامنے اپنے رسوخ اور خدمت کا مطالبہ پوری شدت سے پیش کیا لیکن پارٹی کا فیصلہ ان کی وزارت کے حق میں نہ ہو سکا انہوں نے مطالبہ بھی پیش کیا کہ اگر انہیں وزیر نہ بنایا گیا تو وہ کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لیں گے لیکن ان کا جواب نہیں ملا ۔ کانگریس کی ڈکٹیٹرشپ اگر اپنی شخصیت کے خلاف فیصلوں کو برداشت کر سکتے ہیں تو جماعت کا احترام اور اہمیت کیسے قائم رکھ سکتے ؟ ان کا مطالبہ بے جا ہی بہتر ہے انہوں نے اپنی برسوں کی قربانی اور خدمات کا واسطہ دیا لیکن اس کا جواب یہ تھا کہ ایسی قربانی اور وفاداری کس اقتدار کی خواہش کی بنیاد پر نہیں ہوا کرتی ۔ قوم پرستی کی سمت کو یہاں سیٹھ جی سے اس بات کا کوئی جواب بن نہ پڑا ۔ وہاں کے لئے دو ہی چارہ رہتے تھے یا کانگریس میں رہیں اور اس کے حکم کی پابندی کریں یا اپنی انفرادیت کو کھو کر جماعت سے باہر نکل جائیں ۔ کسان پارٹی میں شامل ہونے کا تو سوال ہی نہ تھا ۔

۔۔۔۔ سیٹھ جی کچھ دن اور خاموش رہے لیکن جب ووٹروں کا مطالبہ بہت شدید ہو گیا تو انہوں نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا ۔ ابھی تک سیٹھ جی کی وزارت کا معاملہ ذاتی تھا اور وقتی سیاست کا ایک حصہ تھا لیکن اب اس نے سارے ہندوستان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ۔ قومی اخباروں نے ان کی خوب خوب خبر لی کانگریس کے مخالف اخباروں نے سیٹھ جی کی اس قربانی کو خوب سراہا اور ہزار ہزار جانیں کانگریس کو سنانے لگا یا غرض یہ کہ سیٹھ جی کا معاملہ ساری دنیا میں گونج اٹھا ۔ دینے کو تو سیٹھ جی نے استعفیٰ دے دیا لیکن کانگریس نے مطالبہ کیا کہ کونسل سے بھی استعفیٰ دو کیونکہ یہ کانگریس کی ساکھ تھی جس نے انہیں جماعت کے نام پر منتخب کرایا تھا مگر سیٹھ جی اس کا یہ جواب دیتے تھے کہ جماعت کی ساکھ کچھ اہمیت نہیں رکھتی ۔ میری برسوں کی خدمات اور میری دولت کا نتیجہ تھا اور استعفیٰ نہ دیتے تھے ۔ مقامی اور صوبہ کی مخالف پارٹیوں نے سیٹھ جی کو دعوت دی کہ ان میں شامل ہو جائیں لیکن سیٹھ جی کی امیدوں کا رشتہ بالکل ٹوٹ گیا تھا دوسرے یہاں زیادہ تر کانگریس پارٹی کے مخالف کیمپ میں شامل اور انہیں نظر و نسق کے اندر کوئی اقتدار نہ تھا اس لئے شامل ہو جانے کے معنی یہ تھے کہ پھر کبھی کانگریس میں واپس نہ جا سکیں گے ۔ ایکی کسان پارٹی اور سوشلسٹ

پارٹی میں جا ملیں جو انتہا پسندی میں کانگریس سے آگے تھیں لیکن ان کے شامل ہونے پر شرط یہ تھی کہ ہندوؤں کے خلاف مقابلہ کر سکیں اور کسانوں کے جذبات سے ان کو کوئی غرض نہ ہو [illegible] ان میں شامل ہوں ۔ وہ بھی خاص حالت سمجھتے ہیں پیچھے رہنا نہیں چاہتے تھے ۔ وہ اپنے آپ کو سوشلسٹ کہتے ہیں [illegible] بھی دے چکے تھے مگر ایک مہاجن اور زمیندار کیسے سوشلسٹ ہو سکتا ہے ؟ غریب سیٹھ کی سیاسی انجمن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کانگریس سیاسی میدان میں [illegible] سے چل کر پریشان ہو جانا ان کی زندگی کا بڑا اصول تھا ۔ دوسری طرف کسانوں کا مطالبہ بھی زور سے شروع ہو چکا تھا کہ [illegible] سیٹھ جی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے انہیں ان کی مشکلوں اور مصیبتوں کو دور کرنا چاہیے ۔ ورنہ ان کی نمائندگی سے کیا فائدہ ؟

اب سیٹھ جی [illegible] اپنی حالت سمجھنے لگے تھے لیکن [illegible] ممکن نہ تھی ۔ [illegible] یہ بھی تھا کہ جو قدم اٹھایا گیا ہے پیچھے نہ ہٹایا جائے ۔ وہ اپنے [illegible] سے بھی دل ہی دل میں [illegible] ہونے لگے تھے کیونکہ [illegible] وہ کانگریس سے الگ ہو [illegible] علیحدگی [illegible] ایک مجبور کسان جو سیٹھ جی کے قرضدار تھے ان کے لیڈر بنے ہوئے تھے سیٹھ جی کو اس وقت بڑی تشویش ہو رہی تھی کہ ان کا [illegible] کسانوں کے [illegible] ان کے مقروض [illegible] اب [illegible] کسانی جھنڈوں کا ایک جلسہ [illegible] کسانوں کے [illegible] کرنے والے تھے اور ان سے مطالبہ کرنے والے تھے کہ وہ اپنے مقروض کسانوں کا [illegible] معاف کر دیں اور ان کی زمینیں [illegible] واپس کر دیں ۔ انہیں اس بات کا بھی زیادہ خطرہ تھا کہ ایسے لوگوں کو ان کے خلاف اکسانے والے زیادہ تر وہی کانگریسی ہیں جو پہلے دنوں ان کے ساتھ کام کرتے تھے ۔ اور اب کسان پارٹی کی [illegible] دیہاتوں میں جلسے کر رہے ہیں ۔ جب سیٹھ جی کا [illegible] انہیں بالکل [illegible]

کی ضرورت محسوس ہونے لگی ۔ کیونکہ [illegible] خلاف کانگریس میں [illegible] خیال آیا گیا کہ [illegible] دوسرا گروہ بھی جمع ہو گئے اور [illegible] جانے لگا کہ ان سیاسی مشکلات کا کیا حل ڈھونڈا جائے ۔ بہت غور و فکر کے بعد یہی سمجھ میں آیا کہ ایک جماعت بنائی جائے کیونکہ اس ملک میں سیاست بھی ڈھونگ ہے اور سیاست دانوں کا مقصد محض یہ ہے کہ ہر فرد اپنے ذاتی خیالات اور ذاتی مفاد یا کسی ذاتی ضرورت کی بنا پر کوئی جماعت بنا سکے [illegible] کامیابی صرف اسی طرح ممکن ہے کہ ایک لیڈر نام کی جماعت بنائے اور اس کا پروگرام اور مقصد خوب بڑھا چڑھا کر ظاہر کرے پھر تھوڑا روپیہ خرچ کرے اور لوگوں کو کھلا پلا کر اپنا دوست بنائے اور الیکشن میں کامیابی حاصل کرے ۔

سیٹھ جی کو اگرچہ بہت دنوں تک الیکشن لڑنا تھا نہ کانگریس اور کسان پارٹی اور دوسرے [illegible] کی جو کوشش ان پر تھی اس سے حفاظت لازمی تھی اس لئے جماعت بنانے کا خیال انہیں بہت پسند آیا ۔ جماعت کی تشکیل کر لی گئی ۔ اس پاس کے کچھ زمیندار دو چار مہاجن ساہوکار اور کچھ کرایہ کے سیاسی لیڈر جمع ہوئے خود سیٹھ جی کی زمینداری کے دو تین سو کاشتکار اور سو دو سو مزدور بلائے گئے باقاعدہ [illegible] زمیندار کسان کانفرنس کا اعلان کیا گیا ۔ کانگریس کے مخالف اخبارات میں خوب پروپیگنڈا کیا گیا اور سینکڑوں روپیہ خرچ کر کے کانفرنس کو کامیاب بنانے کی تیاریاں کی جانے لگیں ۔ لیکن ایک مشکل یہ تھی کہ کسانوں میں کانگریس اور کسان پارٹی کے کارکن ان کی کانفرنس کے خلاف سخت زہر پھیلا رہے تھے ۔ وہ کہتے تھے زمینداروں اور ساہوکاروں کی جماعت ظاہر کر کے کسانوں کا ہمدرد بنا کر کی جا رہی ہے [illegible] ۔ وہ اسے سرمایہ داری کی ایک جماعت سمجھتے تھے [illegible] کانفرنس کو ناکام بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی اور دوسری طرف اس کو کامیاب بنانے کیلئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا تھا ۔

کانفرنس کا ہونا تھا کہ اس جماعت کے لئے مہیا کیا گیا

کہتے تھے ۔ اس کی مخالفت کے زمانے کوئی کسان کانفرنس کبھی ایسی ناکام نہیں رہی ۔ بہرحال ہزار بارہ سو آدمیوں کا اجتماع تھا جس کے بعض کانگریس دشمن بڑے بڑے لیڈر بھی اس میں شریک تھے ۔ زمینداروں کا اچھا خاصا مجمع تھا ۔ اسی کانفرنس کے اندر جماعت کا مستقل نام تجویز ہو کر — زمیندار کسان کانفرنس — رکھا گیا ۔ سیٹھ جی اس کے پریذیڈنٹ ان کے بڑے عہدوں پر جنرل سیکرٹری اور کچھ تالیف عہدہ دار منتخب کئے گئے ۔ کانفرنس نے "کانفرنس مردہ باد" — اور "سیٹھ جی زندہ باد" — کے نعروں میں ختم ہوئی —

سیٹھ جی کی جماعت تو بن چکی تھی اس کا نصب العین اور پروگرام بھی الفاظ میں اور اخبارات میں شائع ہو چکا تھا لیکن دن گزرنا شروع ہو گئے اور جماعت نے کوئی کام نہیں کیا نہ زمیندار حکومت حامل کی نہ کسانوں اور زمینداروں کے تعلقات میں کوئی خوشگواری پیدا کی نہ کسانوں کو سرکاری مطالبات اور زمینداروں کے قرضوں سے نجات دلا سکی اور کسان دن بدن ان سے بد ظن ہوتے گئے اور ادھر کانگریسی حکومتوں نے ایسے قوانین بنانا شروع کئے جو زمینداروں اور ساہوکاروں کے مفاد کے خلاف اور کسانوں کے حق میں مفید تھے ۔ اس سے سیٹھ جی کو بڑی فکر ہو گئی تھی کیونکہ یہ قوانین نہ صرف ان کی سیاسی پوزیشن کے اور ان کے ان [illegible] جماعت کیلئے مضر تھے بلکہ ان کے ذاتی مفاد کے بھی خلاف تھے ۔

جب کانگریس کا ساہوکارہ بل پیش ہو کر [illegible] کسانوں اور زمیندار کسان حلقوں میں ایک ہلچل پڑ گئی ہر ضلع تحصیل اور قصبہ قصبہ میں اس کے خلاف جلسے ہونے لگے ۔ دوسری جانب تائیدی جلسے ہو رہے تھے اور بڑے کسانوں کے عظیم اجتماع کئے جا رہے تھے ۔ سیٹھ جی اس نازک موقع پر بیدار ہوئے اور انہوں نے بھی اس بل کے خلاف اپنی جماعت کو حرکت میں لانے کی کوشش کی — مگر کسانوں کی بل کی حمایت کیلئے ایسا جوش تھا کہ انہیں کسی ایسے جلسہ کی کامیابی مشتبہ نظر آ رہی تھی ۔

اس وقت انہیں پھر کسی نہایت زبردست مشورہ کی ضرورت تھی انہوں نے تمام بڑے بڑے لیڈروں کو اطلاع دی لیکن جب کسی کامیابی کی توقع نہ ہوئی تو وہ سوچنے لگے اور پریشانی بڑھ گئی بالآخر انہوں نے جماعت کو جمع کر کے یہ تجویز کرائی کہ اس کانگریسی بل کی منظوری کے بعد زمیندار اور ساہوکار اس کی مخالفت اور زمینداری کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے ۔ بہت کچھ سوچ بچار کے بعد زمیندار بہت تباہ حال ہو چکے ہیں صاحب غرض بڑے بڑے کاشتکاران کے ہمنوا ہیں اور پورہ میں ان کے پاس دو تین چار گاؤں کیا بیچنے کئے گئے اور ستیاگرہ کا اعلان کر دیا گیا ۔ اخبارات میں بھی اس ستیاگرہ کے متعلق خوب پروپیگنڈا ہوا اس کے ایک مہینہ پہلے کئی صوبوں کے زمینداروں اور ساہوکاروں کو یہ ایک موقع ملا انہوں نے اس تحریک کی بڑی مدد کی اور بہت سی مالی امداد اور پورہ کے سیٹھ صاحب کے سامنے پیش کر دی ۔

زمیندار ستیاگرہ کیمپ کا کھل گیا ۔ اس کی مصلحت [illegible] اور تمام طریقوں سے سیٹھ جی پر ہر طرح [illegible] خوب [illegible] تھے ان کی انہیں خاص کر مشکل پیش آ رہی تھی ۔ جگہ جگہ سے والنٹیر آنا شروع ہو گئے اور ادھر پورہ ستیاگرہ کا مرکز قرار پایا مگر تمام کسان سیٹھ جی کے خلاف ہو گئے تھے ۔ ان کی زمینداری اور ساہوکاری کے کسان خود اس کو ختم کرنا چاہتے تھے کسان پارٹی وہاں خوب کر رہی تھی اسی طرح وہ زمینداروں کی قوت میں [illegible] کر کے ان کو اپنا زور دکھلا دینا چاہتے تھے اور سینکڑوں ایسے کسان تھے جو کوئی قدم اٹھانے کو تیار تھے ۔ ان کے پاس اب کیا رکھا تھا ایک زندگی جو کسی طرح ختم ہو جائے ۔

[illegible] سیٹھ جی کی [illegible] خاص ان کی زمینداری کے ایک مقام پر [illegible] کانفرنس اجتماع ہوا کانگریس کی حمایت اور زمیندار کانفرنس کی مخالفت ایسے زور شور سے کی گئی سیٹھ جی کی تعداد سے زیادہ پڑتالیں کی گئیں اور بعض لوگوں اور سرمایہ داروں کو خطاب دیا گیا ۔ خود سیٹھ جی نے بھی ایک کوٹھی میں سے چھپ کر یہ سارا تماشہ دیکھا اور وہ سوچنے میں رہ گئے جب ہزار ہا کسانوں نے والنٹیر یہ تجویز منظور کی کہ اگر زمیندار کانگریس کے خلاف ستیاگرہ کریں گے تو کسان زمینداروں کے خلاف

ستیاگرہ شروع کردیں گے اور خود سیٹھ جی کی زمینداری سے کسانوں کے اس ستیاگرہ کا آغاز ہوا۔

سیٹھ جی اس خیال سے کانپ گئے کہ کسانوں کا یہ ستیاگرہ ان کی زندگی میں ان کے سامنے ہو چکے تھے جب انہوں نے یہ سوچا کہ طوفان کا رخ خود ان کی طرف ہوگا تو وہ اس کو برداشت نہ کرسکے۔ وہ بوکھلا اور بے چین جلسہ گاہ میں چلے آئے اور پلیٹ فارم پر پہنچ کر تقریر کرنے لگے۔ کسانوں نے انہیں پہچان کر پہلے ہی باہمت انہیں جسمانی ایذا دینی چاہی لیکن رضاکاروں نے حفاظت کے ساتھ انہیں جیر تک پہنچا دیا۔ صدر جلسہ کامریڈ سنگھ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں جس پر انہوں نے تقریر کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور کچھ بحث و تمحیص کے بعد انہیں اجازت دے دی گئی۔

سیٹھ جی نے اپنی تقریر میں کسانوں کو بہت برا بھلا کہا لیکن نپے تلے الفاظ میں پھر بھی ان کی تقریر میں بار بار مداخلت ہوتی رہی "اور شرم شرم" "انقلاب زندہ باد" کی آوازیں آتی رہیں۔ لیکن وہ نازک کسانوں سے زیادہ خود بھی جوش اور غصے میں تھے۔ انہوں نے مخالف نعروں کی کوئی پروا نہیں کی اور تقریر کرتے رہے انہوں نے بتایا کہ وہ کانگریس سے صرف کسانوں کے مطالبہ پر علیحدہ ہوئے انہوں نے ان کے مطالبے پر جماعت بنائی اور وہ انہیں کے مطالبہ پر زمینداروں کی حمایت کر رہے تھے لیکن اگر کسان یہ نہیں چاہتے تو وہ خود پاگل نہیں ہو بیٹھے کہ خواہ مخواہ زمینداروں کی حمایت کرتے چلے جائیں۔ وہ کسانوں کی نمائندگی اور انہوں نے صدر سے مخاطب ہو کر کہا "کیشو آپ مجھ سے سادہ کاغذ پر دستخط لے کر میرا استعفیٰ اسمبلی میں بھیج دیجئے۔ میں اب لیڈری اور قومی خدمت سے باز آتا ہوں۔ ایسے لوگوں کی رہبری کی جائے جنہیں خود اپنے دماغ کی خبر نہیں۔ عوام کی طاقت سب سے بڑی طاقت کہی جاتی ہے لیکن یہ عوام تمسخر کی چیزیں ہیں جنہیں شعور نہیں۔ ان کے اندر پہلے اصلاح اور تعلیم کی ضرورت ہے۔ تم جاہل ہو مجھ سے جو ہو سکے گا کوشش کروں گا کہ تمہاری تعلیم کا کچھ انتظام ہو میں امداد دوں گا"۔ ایک طنزیہ آواز آئی ____ "تم تو ہمارے ہو" سیٹھ جی نے کچھ دیکھا اور اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا ____

"میں جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں لیکن زمیندار کرشنا داو کچھ نہیں۔ تمہاری آج کی برائی زندہ نہیں رہے گی۔ بہر کیف یہ ریشہ دوانیاں مجھے زمیندار کانفرنس کو بھی شکست کرتا ہوں تاکہ انتخابات خود اختیار کریں گے۔ مجھ پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ نا سمجھوں ان انسانوں میں ایک آدمی کی ذات کوئی حیثیت نہیں رکھتی ____"

ان کی مختصر سی تقریر ختم پر کسانوں میں پھر "انقلاب زندہ باد" اور "سیٹھ مردہ باد" کے نعرے مسلسل لگتے جارہے۔ لیکن سیٹھ جی رخصت ہو چکے تھے ____

____ اب وہ لیڈر تھے زمیندار کانفرنس کے پریسیڈنٹ، زمیندار کانفرنس کی نمائندگی، حکومت کی تمنا تھی نہ وزارت کی پروا۔

____ اور ان سب کے باوجود ان کا ساہوکارہ اور زمینداری خوب چل رہی تھی ____ حالانکہ کانگریسی وزارتوں نے ساہوکارہ اور زمیندارہ بل کو قانون بنا دیا مگر قانون اور چیز ہے اور قانون پر عمل دوسری چیز۔

بقیہ صفحہ اول

صرف کئے جاتے ہیں۔ پروپگنڈے کی ایک بڑی مشنری حرکت میں لائی جاتی ہے۔ مگر جو شخص اس قدر روپیہ صرف نہیں کرسکتا وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ ہم سب مساوی ہیں۔ ان حقائق سے ساری سیاسی جماعتیں واقف ہیں مگر یہ جماعتیں اس امر کے اعتراف سے گریز کرتی ہیں کہ ایک ملک میں جہاں پر سرمایہ داروں کا تسلط ہو سیاسی جمہوریت عمل پیرا ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر جمہوریت پسند افراد اور جماعتیں اپنے ادعا میں مخلص ہیں تو انہیں آگے بڑھ کر یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ سماج کی موجودہ ہیئت کو بدل دیا جائے اور انہیں یہ واضح کر دینا چاہیئے کہ وہ اس امر کو گوارا نہیں کرتے کہ چند افراد معاشی میدان میں لاکھوں انسانوں کی زندگی پر مسلط رہیں۔ اور چند اپنے طبقوں کو برتری حاصل رہے۔

ماسکو کانفرنس کے فیصلے

برطانوی وزیر خارجہ کی پالیسی

لندن ۳۰ دسمبر۔ یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کے نامہ نگار کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر بیون وزیر خارجہ برطانیہ ماسکو کانفرنس کے نتیجہ سے اتنے خوش نہیں ہیں جتنا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خاصکر اس بات سے مایوس ہوگئے ہیں کہ تین بڑے ملکوں کے وزراء خارجہ کی کانفرنس میں ترکی اور ایران کے متعلق روس کے مطالبات زیر بحث نہیں آسکے یہ دونوں مسائل برطانوی نقطۂ نظر سے موجودہ صورت حال کے نہایت پریشان کن عناصر سمجھے جاتے ہیں۔ اب اس کی توقع کی جارہی ہے کہ جب دو ہفتوں کے اندر لندن میں اقوام متحدہ کے ادارہ کا اجلاس ہوگا تو دونوں ممالک (ترکی اور ایران) کے مندوبین پرزور طریقہ سے ان مسائل کو اٹھائیں گے ممکن ہے کہ دوسری مغربی طاقتوں کی بھی ان ممالک کو تائید حاصل ہو کیونکہ یہ طاقتیں اس علاقے کے ساحل پر روسی اقتدار کو پسند نہیں کرتی ہیں۔ اس اثنا میں برطانوی اخبارات نے ماسکو کانفرنس پر جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ عام طور سے مایوس کن ہیں۔ "سنڈے آبزرور" کا سیاسی مبصر لکھتا ہے کہ اب برطانوی اور امریکی موقف کو روس کے تسلط کو دور کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اخبار اندیشہ ظاہر کرتا ہے کہ بڑی دول کے حقوق کو تین دول کے بجائے دو دول تک محدود کردیا جارہا ہے۔ اسی طرح سنڈے ٹائمز کا مبصر یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ لندن کی کانفرنس میں امریکہ اور برطانیہ نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس کے جواب میں روس نے نہایت معمولی مراعات دیئے ہیں (ی۔پ)

روس و ترکی کا قضیہ

لندن ۱۰ نومبر۔ ماسکو میں تین وزراء خارجہ کی جو کانفرنس حال میں ہوئی اس میں مسئلہ ایران کے علاوہ ترکی کا مسئلہ اور مشرق قریب و مشرق وسطیٰ کے بین الاقوامی تعلقات کے سارے مسائل زیر بحث آگئے۔ اب یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ ترکی کو سب سے زیادہ تشویش کرنے والے وہ مسائل ہیں جو معاہدہ مانٹرو کی تنقیح سے [illegible] دردانیال کا بین الاقوامی موقف [illegible] جو کہ اور ترکی کے اضلاع قارص اور اردہان کے متعلق روسیوں کے مطالبہ [illegible] ماسکو میں اس بارے میں گفتگو میں [illegible] کوئی ذکر نہیں آیا۔ [illegible] اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ [illegible] کے اخباروں اور ریڈیو نے جو کہا ہے اس کو دہرائے [illegible] ۱۹۲۱ء میں روس نے جن علاقوں کو ترکی کے تفویض کر دیا تھا ان کا مطالبہ سوویٹ [illegible] کے عوام [illegible] علاقہ جات جا رہا ہے [illegible] ان کے لوگ [illegible] علاقہ واری تفویض کے متعلق روس کا مطالبہ [illegible] ہے اور یہ کہ [illegible] سے سوویٹ یونین کا وجود ہی اور [illegible] کہ یہ علاقہ روس اسی وقت سے [illegible] تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ [illegible] کے مطالبات کو سرکاری طور پر [illegible] میں پیش کیا گیا ہے یا نہیں اگر ایسا کوئی مطالبہ پیش کیا گیا ہے تو اس کو یا تو روس نے ظاہر نہیں کیا یا [illegible] نے اس کا اعلان نہیں کیا۔

ترکی [illegible] اس سارے [illegible] معقول [illegible] ہے۔ [illegible] علاقہ ترکی کا [illegible] ہیں اور ترکی کی حکومت سرزمین ترکی کے کسی علاقہ کو دوسرے کے متعلق گفتگو [illegible] کرنے کو آمادہ نہیں ہے [illegible] ۱۹۲۱ء [illegible] معاہدہ اس وقت کی روسی حکومت [illegible] اقتدار میں مصطفیٰ کمال [illegible] ترکی کے [illegible] کے درمیان [illegible]

بعد کرنے کی روس جانب سے پرخلوص اور دوستانہ کوششوں کا نتیجہ ہے اور پھر کہا گیا ہے اور اردہان کے متعلق جب روس نے ترکی کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور اس کے جواب میں ترکی نے باطوم کے مطالبہ کو واپس لے لیا اور روس نے بھی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا انہیں ترکی کے حق میں چھوڑ دیا۔

ابھی یہ تو واضح نہیں ہوا کہ اگر ترکی کے خلاف روس کا کوئی علاقہ واری مطالبہ ہے تو اس کو اس سے کیا تعلق ہے اور دردانیال کے معاہدہ مونٹرو کی ترمیم کے متعلق روس کا رجحان کیا ہے۔ قارص اور اردہان کو واپس لینے کی مہم کے قطع نظر روسی پروپگنڈے نے ترکی پر علانیہ مخالف روس رجعت پسندانہ پالیسی اختیار کرنے اور روسیوں کے خلاف عوام کے جذبات ابھارنے سے چشم پوشی روا رکھنے کا الزام لگایا ہے۔

یہاں ترکی کے سرکاری عہدہ دار اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ علاقوں کی تفویض کے متعلق انکار کر دینے کا جو عزم ترکی نے ظاہر کیا ہے اس بارے میں چاہے اس کو امریکہ اور برطانیہ کی تائید حاصل ہو یا نہ ہو اس میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ ترکی اس کو ایک اصولی معاملہ قرار دیتے ہیں کہ ترکی کو اگر اس سلسلہ میں کسی [illegible] واقع کا مقابلہ کرنا پڑے تو وہ ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوگا۔ یہاں ترک عہدہ دار یہ امید افزا خیال بھی ظاہر کرتے ہیں کہ روس متحدہ اقوام کی شرائط کی پابندی کا بار بار اعادہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات کو جبر کی حد تک نہیں پہنچائے گا۔ اور یہ کہ روس نے یقین بھی دلایا ہے کہ وہ ملک گیری نہیں کرے گا۔ ان مطالبات کے پس پردہ چاہے کچھ ہو لندن میں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ مطالبات فی الوقت بہت سنجیدہ ہیں اور ماسکو کے [illegible] گذشتہ [illegible] ترکی کی شدت حرارت میں کچھ [illegible] اضافہ کر دیا ہے کہ ان پرانے مسائل کو فریقین کے درمیان [illegible] گفت و شنید سے قطعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اشتہار

مرتبہ عدالت منصفی تعلقہ [illegible] واقع ۳۰ بہمن ۱۳۵۵ف

نمبر مقدمہ ۱۵/۴۳ بابتہ ۱۳۵۵ف

باجلاس خالد عبدالرحیم بیرسٹر ایٹ لا منصف [illegible] دعویٰ اجرائی ڈگری

چنو دستگراؤ ڈگریدار منباو کنڈم راجہ رام فوت قائم مقام بھگونت ریڈی

بنام کنڈم بھگونت ریڈی ولد راجہ رام قوم ریڈی عمر ۴۰ سالہ پیشہ زراعت و معہ [illegible] وطنداری ساکن موضع نانا پور تعلقہ [illegible]۔

ہرگاہ ڈگریدار مذکور نے باجرائی ڈگری عدالت منصفی [illegible] ۱۳/۴ بابتہ ۱۳۴۵ف درخواست عدالت ہذا میں ڈگری مذکورہ کی تعمیل کی پیش کی ہے لہذا تم کو ذریعہ اشتہار ہذا حکم دیا جاتا ہے کہ اس عدالت میں بتاریخ ۱۵ اسفندار ۱۳۵۵ف یوم پنجشنبہ بوقت ۱۰ بجے حاضر ہو کر اگر کوئی وجہ رکھتے ہو کہ ڈگری کی تعمیل نہ کی جائے تو پیش کرو ورنہ عدم حضوری تمہارے حسب ضابطہ کارروائی کی جائے گی۔

آج بتاریخ ۳۰ بہمن ۱۳۵۵ف میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط

مہر عدالت دستخط مولوی سید [illegible] حسینی صاحب سررشتہ دار عدالت

اشتہار

حاضری مدعا علیہ مرتبہ عدالت دیوانی منصفی تعلقات شرقی وغیرہ ضلع اطراف بلدہ صرف خاص مبارک واقع [illegible] ۱۳۵۵ف

نمبر مقدمہ ۱۶۵ بابتہ ۱۳۵۵ف۔ باجلاس مولوی احمد عبدالبشیر خان صاحب [illegible] بی اے ایل ایل بی منصف مستقر عدالت سردار کل چار مینار۔

عائشہ بیگم فریق اول بنام سید عباس علی فریق دوم۔ دعویٰ تنسیخ [illegible] ایک قطعہ مکان

بنام سید عباس علی ولد سید اکبر علی قوم سید عمر ۳۵ سالہ پیشہ ملازمت ساکن بلدہ [illegible] تعلقہ شرقی۔ ہرگاہ فریق اول نے [illegible] ڈگری کے لئے درخواست پیش کی ہے تمہاری حاضری کے لئے متعدد مرتبہ سمن جاری کئے گئے۔ لیکن عدم تعمیل واپس ہوئے ہیں لہذا تم کو ذریعہ اشتہار اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اس عدالت میں بتاریخ ۲۰ اسفندار ۱۳۵۵ف روز پنجشنبہ وقت ۱۰ ساعت حاضر ہو کر اگر کوئی وجہ رکھتے ہو کہ کیوں ڈگری [illegible] نہ کی جائے پیش کرو بصورت عدم حاضری حسب ضابطہ کارروائی عمل میں آئے گی۔ آج بتاریخ ۱۰ بہمن ۱۳۵۵ف میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط

مہر عدالت دستخط سررشتہ دار صاحب عدالت

اشتہار

از محکمہ عدالت دیوانی ضلع گنجوٹی علاقہ پائیگاہ خاص عالیجناب نواب سر خورشید جاہ مرحوم مستور

نمبر مقدمہ ۹۰ سنہ ۱۳۵۴ ف

باجلاس مولوی سید محمد غوث الدین صاحب ناظم عدالت دیوانی ضلع ورگہ

ایریکشی پاولد شریپا فوت وارث سنگپا ولد ایریکشی پاپا و ریشی پا نابالغ ولد ایریکشی پا ساکن ورگہ مدعا بنام واماولد بسید سوگرڈے ساکن بوگ پیٹ تعلقہ گنجوٹی مدعا علیہ۔

دعوے ولا پانے زرنقد مبلغ (معہ سود ۵۰۰) روپیہ سکہ عثمانیہ۔

بنام واماولد بسید سوگرڈے قوم لنگایت عمر ۵۰ سالہ پیشہ زراعت ساکن بوگ پیٹ تعلقہ گنجوٹی

ہرگاہ مندرجہ عنوان میں تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجراء کئے گئے مگر کسی وقت سمن کی تعمیل تمہاری ذات پر نہیں ہوئی لہذا تم کو بذریعہ اشتہار آگاہ کیا جاتا ہے کہ مقدمہ ہذا کی تاریخ پیشی ۱۹ اسفندار ۱۳۵۵ ف روز چہارشنبہ مقرر کی گئی ہے۔ لہذا چاہیئے کہ تاریخ مذکورہ بوقت ۱۰ بجے دن کے بمقام عدالت دیوانی ضلع گنجوٹی مستقر ورگہ اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر مقدمہ ہذا میں پیروی و جوابدہی کریں بصورت غیر حاضری تمہاری کارروائی یکطرفہ عمل میں آئیگی پھر تمہارا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ فقط

حکم عدالت مورخہ ۔۔۔ ماہ ۔۔۔ کو جاری ہوا ہے۔

مہر عدالت — دستخط سررشتہ دار صاحب عدالت

سید معین الدین پریس مطبع ... سے طبع ہو کر شائع ہوا